ڈاکٹر صدف نقوی* شازیہ عندلیب**

طاہرہ اقبال کی افسانوی جہات

Abstract: *"Tahira Iqbal holds unique identity regarding Urdu fiction. Her stories represent realism. Her stories raised from today's world. She has deeply observed poverty ridden and down trodden environment and its characters. Life laments in her stories. She has presented male dominated society in her stories, where each moment of a woman is spend in trail of tears."*

اُردو افسانے میں طاہرہ اقبال کا نام بہت روشن ہے۔ وہ اُردو ادب کے اُفق پر چمکنے والا ایسا ستارہ ہے جس کی روشنی دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ وہ اُردو افسانے کی تخلیق کار ہی نہیں بلکہ ہمارے روایتی تہذیبی کلچر کی علم بردار بھی ہیں۔ اُنھوں نے زندگی کو بڑی گہری نظر سے دیکھا ہے۔ اُن کے افسانے انسانی نفسیات کے پوشیدہ گوشوں کی گرہیں کھولنے اور گنجینۂ حیات کا طلسم وا کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنے معاشرے، اپنی تہذیب اور گردوپیش کی زندگی اور طبقہ نسواں کے مسائل و حالات سے نہ صرف اُنھیں دلچسپی ہے بلکہ اپنے کردار، مکالمے، پلاٹ، موضوعات کو پوری جزئیات نگاری سے پیش کرتی ہیں۔ اُن کی کہانیوں کے کردار ہمارے ہی معاشرے کے کچلے ہوئے، مظلوم، بے بس اور ٹھکرائے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذہانت سے قاری کو زندگی کے نئے نئے پہلوؤں سے آشنا کرتی نظر آتی ہیں۔ وہ اپنی تکنیک، مشاہدے اور تجربے سے قاری کو اُس منزل پر لے جاتی ہیں۔ جہاں وہ اپنے شعور ادراک سے خود پہنچتی ہیں۔ اُن کے زیادہ تر افسانے مخصوص دیہاتی پس منظر کے حامل ہوتے ہیں۔ جس کے لیے وہ اُسی علاقے کی مخصوص لفظیات کو پیرائے اظہار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ اُن کے افسانوی مجموعوں میں سنگ بستہ، گنجی بار، ریخت اور زمین رنگ شامل ہیں۔

طاہرہ اقبال اپنے اندر ایک درد مند دل رکھتی ہیں۔ خاص طور پر پنجاب کے دیہی علاقے کی عورت کی زندگی کا اُنھوں نے بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی لکھتے ہیں:

> ''طاہرہ اقبال کے یہاں پنجاب کی ''عورت'' کا جس جرأت اور ہمدردی کے ساتھ مطالعہ کیا گیا ہے وہ بہت منفرد ہے۔ اس کا افسانہ ''ماں ڈائن'' میں حقیقت نگاری اور ڈرامائیت اس درجہ شیر وشکر ہوئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی لازمی ضرورت معلوم ہوتے ہیں۔''(۱)

* استاد شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد
** پی ایچ ڈی سکالر (اُردو)، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

طاہرہ اقبال کے اسلوب پر پنجاب کی مخصوص تہذیبی فضا کی خاص چھاپ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کردار اور ماحول پنجاب کی سرزمین کا ہو گا تو اُس کے لیے پنجابی لفظیات کہانی پن کا فطری تقاضا ہو گا۔ اُن کے افسانے حقیقت نگاری کے عکاس ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں وہی کہانی پیش کرتی ہیں جو اُن کو حقیقت میں معاشرے میں ہوتا نظر آتا ہے۔ اُن کے کردار اُن کے ذاتی مشاہدے پر دلالت فراہم کرتے ہیں۔ انیس ناگی طاہرہ اقبال کے افسانوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''طاہرہ اقبال کے افسانے حقیقت نگاری کے اسلوب میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے افسانوں کا خمیر آج کی دنیا سے اُٹھتا ہے۔''(۲)

طاہرہ اقبال اپنے افسانوں میں معاشرے کی تلخ تصویروں سے پردہ اُٹھاتی ہیں۔ اُن کا افسانہ ''امیر زادی'' ہمارے اسی سماج کی کہانی ہے۔ مصنفہ نے ایک بچی کے کردار سے موجودہ دور کی صورتِحال سے پردہ اُٹھایا ہے جو غربت اور بھوک کی وجہ سے ایک امیر گھرانے میں ملازمہ بن کر آتی ہے اور ایک دن خود کسی اور کی جنسی بھوک کا نوالہ بن جاتی ہے۔ اس بچی کے کردار کے ذریعے طاہرہ نے پورے معاشرے کی ملازم پیشہ بچیوں کے لیے آواز اُٹھائی ہے۔

طاہرہ اقبال کے کردار محرومی، پسماندگی اور جہالت کے اندھیروں سے اُبھرتے ہیں۔ انہی افسانوی کرداروں میں ایک اہم کردار ''گنجی بار'' کی ''کینی'' ہے۔ گنجی بار کی کہانی ایک ایسے سماج کی کہانی ہے جہاں انسانی وجود کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اس افسانے میں ایک ''ماں'' اپنے قریب المرگ بیٹے کو چند سال کی معصوم بچی کی گود میں ڈال کر فرار ہو جاتی ہے۔ معصوم کینی بھائی کو بچانے کے لیے کافی تگ و دو کرتی ہے مگر اُس کا بھائی مر جاتا ہے۔ بھائی کے مرنے کے بعد معصوم کینی اس بھری دنیا میں اکیلی رہ جاتی ہے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی وہ ہوس کے پجاریوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے۔ جس کے نتیجے وہ ماں بنتی ہے تو سماج کے وہی ٹھیکے دار جو اُس کی بربادی اور گناہ میں برابر کے شریک تھے شرع و قانون کی لاٹھی لیے اُس کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں وہ اپنے بچے کو بچانے کی بڑی کوشش کرتی ہے اور اسی کش مکش میں زندگی کی بازی ہار جاتی ہے۔ مصنفہ نے ''کینی'' کا انجام نہایت دردناک دکھایا ہے۔ جو قاری پر ایک گہرا نقش چھوڑ جاتا ہے۔ اور بقول رضوانہ نقوی:۔

> ''کینی زندگی کا وہ عظیم درس بن جاتی ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں زندگی موت سے ہار نہیں مانتی بلکہ وہ اس کے مسلسل پنجہ آزما رہتی ہے اور یہ بھی کہ انسان ہونے اور ''انسان بننے'' میں فرق بہرحال موجود ہے۔ وہ تمام لوگ انسان تھے جنھوں نے ''کینی'' کو جانور کا درجہ دیا مگر وہ جانور صفت اوصاف انسانی میں بڑھ کر تھی کہ جس نے پہلے اپنے بھائی کو اپنی آغوش میں اور بعد میں ایک ''مجرم زندگی'' کو اپنی کوکھ میں پناہ دی۔''(۳)

ڈاکٹر انوار احمد طاہرہ اقبال کے افسانوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اُردو کے شاہکار افسانوں کا انتخاب کیا جائے تو طاہرہ اقبال کے دو افسانے اس میں ضرور شامل کیے جائیں ایک ''گنجی بار'' اور دوسرا'' ماں ڈائن''۔''(۴)

طاہرہ اقبال کے افسانے گہرے اور کھرے مشاہدے کے عکاس ہیں۔بقول وزیر آغا:

''طاہرہ اقبال کی خوبی یہ ہے کہ اُس نے دیہات کی کہنہ میں شور ''جنگل'' کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔''(۵)

طاہرہ اقبال نے اپنے افسانوں میں انسانی جبلت کی بڑی گہرائی سے نقاب کشائی کی ہے۔ایسا ہی ایک افسانہ ''ناگفتنی'' ہے جس میں مصنفہ نے ناگفتنی کا لفظ استعمال کر کے قاری کے تجسس کو اُبھارا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ باتیں، کچھ واقعات کو انسانی زبان ادا کرنے سے قاصر ہوتی ہے لیکن کچھ ایسے ہی واقعات کو اس افسانے کے ذریعے طاہرہ اقبال نے تحریر کے ذریعے قاری کے ذہن و دل پر نقش کر دیا ہے۔ اس افسانے کا موضوع ایک ایسی عورت کا کردار ہے جو اپنے شوہر کے شاہی محل میں خود کو شوپیس سمجھ کر زندگی کو موت کے برابر تصور کرتی ہے۔ شوہر کی عدم دلچسپی نے اُن کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی تھی۔ عورت اپنے شوہر سے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کی بجائے اپنی ذات کی تکمیل کا مطالبہ کرتی ہے۔ طاہرہ اقبال نے اس افسانے میں عورت کے نفسیاتی تقاضوں کو بڑے خوب صورت پیرائے اظہار میں بیان کیا ہے:

''میں زندگی چاہتی ہوں جو اس دو ایکڑ کے سوئمنگ پول اور ٹینس کورٹ والے محل میں دم توڑ چکی ہے۔ جو ہر اندھے، گونگے، بہرے، برف کے انسان میں دفن ہو چکی ہے۔ جو باہر ان تعفن زدہ کوٹھریوں میں کلبلاتی ہوئی نمو پا رہی ہے۔ مجھے یہ زندگی چاہیے، مجھے یہی زندگی چاہیے۔''(۶)

اپنے افسانوں میں طاہرہ اقبال نے جو کردار پیش کیے ہیں وہ بڑے موثر اور جاندار ہیں۔ وہ عام معاشرے کے عام انسانوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ طاہرہ اقبال کرداروں کو تخلیق کرتے ہوئے ہمیشہ معاشرے میں ارد گرد کے ماحول کو مد نظر رکھتی ہیں۔ اپنے کردار کی اچھائیوں اور برائیوں سے قاری کو آگاہ کرتی ہیں۔ اُن کے کردار مثالی نہیں ہوتے لیکن قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے ''ریخت'' کے کردار ایسے ہی خوبیوں اور خامیوں پر مشتمل ہیں۔ ''ریخت'' کی کہانی نام نہاد جاگیر دار ملک گام دستگیر اور چھمبی ماچھن کے عشق کی داستان پر مبنی ہے۔ اس افسانے میں مصنفہ نے گاؤں کے عام لوگوں ترکھانوں، کسانوں اور مچھیروں کی زندگیوں کو پیش کیا ہے۔ ایسے جاگیر دارانہ نظام میں جاگیر دارانہ صرف نچلے طبقے کی خون پسینے کی محنت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بلکہ اُن کی عزتوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

طاہرہ اقبال کا افسانہ ''گندا کیڑا'' عورت کے انتقام پر مبنی ایک ایسی کہانی ہے جو حقائق کی ترجمان ہے۔ ایک ایسی عورت جس کا دل و دماغ اور وجود انتقام کی آگ میں بھڑک رہا ہے۔ مصنفہ کا یہ افسانہ عورت کی پیچیدہ نفسیات کا ترجمان ہے۔ مرد کا انتقام وقتی ہوتا ہے لیکن عورت کا انتقام نسلوں کی نسلیں تباہ کر دیتا ہے۔ عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو ناگن کی طرح زہر اُگل کر ایک صدی تک طاعون و تعفن پھیلا دیتی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ''گوری'' ملک اور اس کے تینوں بیٹوں کی ہوس کا نشانہ بنتی ہے اور نتیجے کے طور پر پورے گاؤں والوں کے طعنے تشنے برداشت کرتی ہے۔ کہانی کے آخر میں گوری اپنی تمام گھٹن کا بدلہ بڑے تیکھے انداز میں لیتی ہے:

> ''تو جاننا چاہتا ہے کہ میں یہ گندا کیڑا کیوں رکھنا چاہتی ہوں تو سن یہ تیرے لیے بھیک مانگ کر لائے گا یہ تیرے گدھے چرائے گا۔۔۔ یہ بھوک اور چیتھڑوں میں لپٹا لحظہ لحظہ مرے گا لیکن میں اسے مرنے نہیں دوں گی تب میں اسے کشکول ہاتھ میں تھما کر حویلی کی طرف دھکا دوں گی اور کہوں گی'' ملک جی جاؤ، حویلی سے خیر پن کر لاؤ تب میں۔۔۔''(۷)

طاہرہ اقبال نے افسانے کے پیش کش میں ماحول کو پوری اہمیت دی ہے۔ حقیقت کے ارضی پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے لیے زمان و مکان میں ایک اٹوٹ رشتہ قائم کر دیا ہے۔ اُن کی نظر زندگی کے حقائق پر پڑتی ہے۔ اُنھوں نے اپنے افسانوں کا مو اد براہ راست زندگی سے لیا ہے۔ افسانہ نگاری سے اُنھوں نے تنقید حیات کا کام لیا ہے۔ اُن کے افسانوں کے مرکزی کردار شہزادے، شہزادیاں یا امرا اور رؤسا نہیں بلکہ عام زندگی کے کردار ہیں۔ طاہرہ اقبال نے محروم طبقے کی زندگی، اُن کی جدوجہد، محرومیوں کو اپنی کہانیوں کو موضوع بنایا ہے۔ وہ زندگی کی سچی تصویریں کھینچتی ہیں۔ پنجاب کے دیہات کی زندگی کے اتھاہ سمندر کے تند دھارے کے مدوجزر کو انہوں نے بڑی گہرائی و گیرائی سے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ''طاہرہ اقبال کے ہاں مجھے حیرت انگیز باریک بینی نظر آئی۔ غربت و افلاس میں روندے اور کچلے ہوئے ماحول اور اس کے کرداروں کا اتنا قریب سے مشاہدہ اور مطالعہ طاہرہ اقبال کی ایسی خصوصیت ہے جو بہت حد تک منفرد ہے۔''(۸)

طاہرہ اقبال نے اپنے افسانوں سے متعلق منظروں، مزاجوں، رویوں اور لہجوں کو بڑی مہارت سے موقع محل کے مطابق پیش کیا ہے۔ حقیقت نگاری کی عکاس اس مصنفہ کے افسانے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اُنھوں نے دکھ سکھ، معاشرتی زندگی کی ناہمواریاں، فرسودہ رسم و رواج کو بڑے فنکارانہ انداز میں اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے زندگی کے دلخراش واقعات کو سپردِ قلم کیا ہے۔ اُن کے تمام افسانے انہی دلگداز واقعات سے لبریز ہیں۔ تاج سعید لکھتے ہیں:

"سنگ بستہ کے افسانوں میں زندگی نوحہ کناں نظر آتی ہے کہ اس کا ایک بڑا دلگداز روپ یہی ہے اس لیے کہ مردوں کے معاشرے میں عورت کا ہر پل آنسوؤں کی رم جھم میں بسر ہوتا ہے۔"(۹)

طاہرہ اقبال کے تمام افسانے اپنی ذات میں مکمل ہیں۔ اُن کا افسانہ "ملیچھ" ایک منفرد افسانہ ہے۔ افسانے میں گاؤں کے مخصوص زمیندارانہ رہن سہن کو پیش کیا۔ اس افسانے میں لاحاصل محبت کی اذیت دکھائی ہے۔ افسانے "مس فٹ" میں بھی زندگی کی ایک تلخ حقیقت سے پردہ اُٹھایا گیا ہے کہ جب بھوک و افلاس کی چڑیا اڑ جائے یا زندگی تعیشات کے رنگ میں رنگی جائے تو تعیشات کا باز اُس چڑیا کو دبوچ کھائے گا۔ تو خارجی زندگی سمندر کی مانند خاموش ہو گی لیکن باطنی زندگی میں ایک تلاطم پیدا ہو جائے گا۔ مصنفہ نے اس افسانے میں ایک چھوٹے بچے کے منہ سے کلمات ادا کروا کر مرد کی حاکمیت اور جبریت کی عکاسی کی ہے۔ جب بیٹا ماں سے کہتا ہے:

"آپ اس وقت کہاں جا رہی ہیں۔"
"ابو کی غیر موجودگی میں، میں اس گھر کا سربراہ ہو اور میرے نالج کے بغیر کوئی فرد کوئی کام نہیں کر سکتا۔"(۱۰)

بیٹے کے یہ مکالمے مرد حاکمیت معاشرے کے عکاس ہیں۔ جب کہ بیٹی کے یہ فقرے:

"جہاں ماں جا سکتی وہاں بیٹی کیوں نہیں جا سکتی۔"(۱۱)

بیٹی کے یہ الفاظ اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ "جیسی ماں ویسی جائی" کہ اگر ماں نیک ہو گی تو بیٹی بھی اُس کے نقشِ قدم پر چلے گی اور اگر ماں بد کردار ہو گی تو یہ برائی اُس کی جائی میں بھی ہو گی۔ طاہرہ اقبال کا ایک اور منفرد افسانہ "راؤنڈ دی کلاک" ہے جو عصر حاضر کی جدید عورت کا خاکہ ہے جو زندگی کی دوڑ دھوپ میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑی ہے جہاں زندگی کا مقصد صرف زندگی کے لیے آسائشات کا حصول ہے۔ مصنفہ نے اس افسانے میں عورت کی بحیثیت بیوی اور ماں کے بچوں کی زندگی کو سہل بنانے کے لیے ایک کلاک کی مانند دکھایا ہے۔ مسز سلیم اور سلیم بچوں کی ضروریات زندگی کے لیے اس طرح سے کوشاں ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو جذبات سے عاری ایک مشین کی طرح بنا لیا ہے۔ مصنفہ نے جدید عورت کے المیے کی بڑی گہرائی سے عکاسی کی ہے۔ دراصل راؤنڈ دی کلاک زندگی کے گھومتے ہوئے پہیے کی مانند ہے۔

ایسے میں لوگ زندگی کی دوڑ دھوپ میں محض کھلونا بن کر رہ جاتے ہیں۔ دراصل یہ افسانہ موجودہ دور کی مشینی زندگی پر طنز ہے۔

طاہرہ اقبال اپنے افسانوں میں کرداروں کی نفسیات کی گہری نبض شناس ہیں۔ جہاں وہ عورت کے بھیدوں کو سمجھتی ہیں۔ وہاں مردوں کی نفسیات کا بھی بڑی باریک بینی سے مشاہدہ کرتی ہیں۔ مرد کے کردار کے اُتار چڑھاؤ کو دیکھنا ہو تو اُن کا افسانہ ''شب خون'' پڑھ لیں مرد کی نفسیات کے تمام دروا ہو جائیں گے۔ محمد حمید شاہد لکھتے ہیں:-

> ''عورت کے کردار ہوں یا مرد کے طاہرہ نے انہیں تراشا بہت محنت اور خلوص سے ہے یوں کہ وہ اپنی شباہت مکمل کرتے ہیں۔ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ کہانی کے بہاؤ میں چلتے پھرتے ہیں اور کہانی ختم ہونے کے فوراً بعد تحلیل نہیں ہوتے، کچھ نہ کچھ پڑھنے والے کے وجود میں رہ جاتے ہیں۔ یہی طاہرہ اقبال کا کمالِ فن ہے۔''(۱۲)

بلاشبہ طاہرہ اقبال نے اپنے افسانوں کے ذریعے اُردو ادب کی تاریخ میں اپنا منفرد مقام بنالیا ہے۔ اُنھوں نے ادب کو بطور مقصد کے اپنایا ہے۔ وہ ادب جو کسی نصب العین اور نظریے کی بنا پر وجود میں آتا ہے۔ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ طاہرہ اقبال کے افسانوں میں جو گہرائی اور گیرائی ہے اُنھوں نے اپنی ذہانت اور عمیق نظری سے جس طرح افسانے کے فن کو سیراب کیا ہے۔ اس وجہ سے اُن کا نام اُردو ادب کے صف اوّل کے افسانہ نگاروں میں رہے گا۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، طاہرہ اقبال کی افسانہ نگاری، مشمولہ: چہار سو، مدیر گلزار جعفری، راولپنڈی: جلد۲۵، شمارہ مئی جون، ، ۲۰۱۶ء، ص۲۳
۲۔ انیس ناگی، حقیقت نگاری کا اسلوب، مشمولہ: چہار سو، مدیر گلزار جعفری، ص۲۲
۳۔ رضوانہ نقوی، گنجی بار کی کینی، مشمولہ: چہار سو، مدیر گلزار جعفری،
۴۔ انوار احمد، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۵۵۰
۵۔ وزیر آغا، مشمولہ: ریخت، طاہرہ اقبال، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، فلیپ
۶۔ طاہرہ اقبال، ریخت، ص۱۱۹
۷۔ ایضاً، ص۴۱
۸۔ احمد ندیم قاسمی، حیرت انگیز، مشمولہ: چہار سو، ص۲۴
۹۔ تاج سعید، افسانے کی دنیا، مشمولہ: چہار سو، ص۲۹
۱۰۔ طاہرہ اقبال، ریخت، ص۵۹
۱۱۔ ایضاً، ص۵۸
۱۲۔ محمد حمید شاہد، اردو فکشن نئے مباحث، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۶ء، ص۳۷۷

☆☆☆☆☆